Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:5 (1966)

اسلامی مملکت میں ٹیکس کا مسئلہ

سید قدرۃ اللہ فاطمی

(۱)

تمہید

ٹیکسوں کی چوری (TAX EVASION) کا عام رجحان پاکستانی معاشرہ اور معیشت کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ:-

اوّلاً، ملکی دفاع اور معاشی بہبود کا تمامتر انحصار حکومت کے مالی وسائل پر اور خود ان وسائل کی فراہمی کا بیشتر انحصار مختلف قسم کے سرکاری ٹیکسوں پر ہے لیکن حکومت کو جس قدر ٹیکس وصول ہونا چاہیئے اس کا بہت ہی تھوڑا حصّہ سرکاری خزانے میں پہنچ پاتا ہے۔ اس لئے حکومت کو بیرونی طاقتوں کا دستِ نگر ہونا پڑتا ہے۔ ملک کی سالمیّت خطرے میں پڑتی ہے اور معاشی ترقی و بہبود کی رفتار بہت سست ہو جاتی ہے۔

ثانیاً، غیر اشتراکی ممالک میں سماجی انصاف کی مؤثر ترین تدبیر یہ ہے کہ ٹیکسوں کا زیادہ سے زیادہ بوجھ مال دار طبقہ پر ڈالا جائے اور یہ تدبیر صرف اسی وقت کارگر ہو سکتی ہے، جب کہ معاشرے کا یہ سب سے طاقتور عنصر اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے بغیر کسی بیرونی دباؤ کے، بہ رضا و رغبت تیار ہو۔ لیکن پاکستان کے مال دار طبقہ کو اس بارے میں اپنی ذمّہ داریوں کا بہت کم احساس ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ معاشی ناہمواری اور طبقاتی کشمکش روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

ملک کے اہلِ فکر کا یہ فرض ہے کہ وہ اس تشویش ناک صورتِ حال کی اصلاح کی تدابیر پر غور کریں۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر فضل الرّحمٰن صاحب نے جو تجویز پیش کی ہے، وہی اس

مسئلہ کا واحد قابلِ عمل حل ہے۔ حکومت کے تمام قوانین کے نفاذ کے لئے بالعموم، اور ٹیکس کے قوانین کے لئے بالخصوص، یہ ضروری ہے کہ ان کے پیچھے مؤثر اخلاقی جذبہ (MORAL SANCTION) کارفرما ہو۔ جب تاجر اور صنعت کار ٹیکس سے بچنے کے لئے جعلی بہی کھاتے بنا رہے ہوتے ہیں، تو انہیں اس سے باز رکھنے کے لئے حکومت کی تعزیر کا خوف بہت کم کارگر ہو سکتا ہے۔ مغرب کے جمہوری ممالک میں تو قومیت کا شدید احساس وہاں کے باشندوں کو ٹیکس کے لئے اپنی آمدنی کے صحیح اظہار پر آمادہ کرتا ہے اور اس قومی احساس کے تحت وہاں کے تاجر اور صنعت کار ٹیکس کی بھاری رقمیں ادا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں صورتِ حال مختلف ہے۔ ہمارے اخلاقی اقدار قومیت پر نہیں بلکہ اسلامیت پر استوار ہیں۔ ہمیں ٹیکس کے قوانین کے مؤثر اور منصفانہ نفاذ کے لئے اسلامی روایات سے مدد لئے بغیر مفر نہیں۔ پاکستان کے پچھلے اٹھارہ سال کے تجربہ اور بالخصوص حالیہ ستمبر کی جنگ سے کم از کم اتنا سبق تو لینا چاہیئے کہ ع

کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو۔

یہ ضرور ہے کہ ملک میں ایک بہت مختصر، مگر صاحبِ اثر و نفوذ گروہ لادینی سیاست (SECULARISM) پر یقین رکھنے والوں کا بھی ہے، جنہیں ہمارے اخلاقی اقدار کے نظام کا وراثتاً اسلام پر مبنی ہونا ناگوارِ خاطر گزرتا ہے۔ لیکن اتنا تو انہیں بھی ماننا پڑیگا کہ کسی قوم کی موروثی اخلاقی بنیادوں سے انکار اور انحراف کرنا، اُس قوم میں اخلاقی بحران پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے اُنہیں بھی یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ پاکستان جیسی اسلامی مملکت میں ٹیکسوں کے نظام کو مؤثر، ترقی پذیر اور انصاف پر مبنی بنانے کے لئے لازمی ہے کہ اسے اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ زکوٰۃ اور ٹیکس کی ثنویت (DUALITY) کو دُور کر دیا جائے اور سرکاری ٹیکسوں کو مذہبی فریضہ کے طور پر ادا کیا جائے۔

اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ عملاً زکوٰۃ خود ایک ٹیکس ہے، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے الفاظ میں "حق المال"[1]۔ یہ بھی ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں خیبر و مکّہ وغیرہ کی فتوحات سے قبل حکومت کے کاروبار کو چلانے، مدینہ کی ریاست کو

---

[1] دیکھئے صفحات آئندہ ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۰

بے حد طاقت ور دشمنوں کے خوف ناک حملوں سے بچانے اور عام مسلمانوں کے رفاہی کاموں کو سرانجام دینے کے لئے زکوٰۃ (صدقات) ہی واحد ذریعۂ آمدنی تھا۔ اسلامی فتوحات کے بعد مالِ غنیمت، مفتوحہ علاقوں کا خراج اور ذمّی رعایا سے وصول کردہ جزیہ اور عشر بیت المال کی آمدنی میں کثیر اضافہ کا سبب ضرور بن گئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں پاکستان جیسے ملک کے لئے آمدنی کے یہ ذرائع قطعاً مسدود ہیں۔ اوائلِ اسلام کے ٹیکسوں میں سے اب صرف زکوٰۃ ہی ایک ایسا ٹیکس ہے، جسے موجودہ زمانہ کی اسلامی مملکت نافذ کرسکتی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مروّجہ شرح آج کل کی حکومتوں کو چلانے اور ملک کے نادار طبقہ کی رفاہی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کے عملی نفاذ کے لئے اس کی مروّجہ شرح کو یکسر بدلنا ہوگا۔ اس کے مصارف کے بارے میں مروّجہ تعبیرات پر بھی نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ اس کے بغیر پاکستان میں ٹیکسوں کے نظام کو اسلام کے بلند ترین اخلاقی اقدار کی بنیادوں پر استوار کرنے، اسے زیادہ سے زیادہ منصفانہ بنانے اور اسے مذہبی فریضہ کے طور پر ادا کرنے کی مؤثر ترین ترغیب دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مگر ان تبدیلیوں کو قبول کرنے میں پاکستان کے "اسلام پسند" طبقوں کو سخت تامّل ہے۔ پاکستان کے معاشرتی مسائل کے زیادہ سے زیادہ الجھتے چلے جانے اور معاشرہ میں عام طور پر اخلاقی بحران کے پائے جانے کا سبب ہی یہ ہے کہ یہاں ایک طرف تو وہ گروہ ہے، جو اسلامی نظامِ اقدار کو موجودہ زمانہ کے لئے فرسودہ، بے کار یا کم از کم غیر متعلّق شئے سمجھتا ہے اور دوسری طرف وہ گروہ ہے جو زبان سے تو اسلامی نظامِ اقدار کو رائج کرنے کے لئے پُرجوش نعرے لگاتا ہے۔ اس نام پر سیاسی جماعتیں بناتا ہے، لیکن جب بدلتے ہوئے معاشرہ میں اس نظام کو عملاً نافذ کرنے کے لئے نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ ان سے ہراساں ہو کر موجودہ اسلامی تعطل اور جمود کو ترجیح دینے لگتا ہے۔

جو اصحاب زکوٰۃ کی مروّجہ شرح میں تبدیلی اور اضافہ کے مخالف ہیں، ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

دیگر عبادات یعنی نماز، روزہ اور حج کی طرح زکوٰۃ کی بھی دو قسمیں ہیں:-

ایک فرض جو "زکوٰۃ" ہی کہلاتا ہے، دوسری نفل جسے "صدقہ" کہتے ہیں۔

جس طرح فرض نمازوں کی رکعتوں کی تعداد اور ان کے اوقات، فرض روزوں کی تعداد اور ان

کا زمانہ، اور فرض حج کے ارکان اور اس کا زمانہ شرعاً متعیّن ہیں، اسی طرح فرض زکوٰۃ کی مروّجہ شرح اور مصارف بھی شریعت کی رُو سے متعیّن ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی مداخلت فی الدّین ہے۔

البتّہ، جس طرح نفل نمازوں کی رکعتوں کی تعداد اور ان کے اوقات، نفل روزوں کی تعداد اور ان کا زمانہ اور نفلی حج (یعنی عمرہ) کا زمانہ غیر متعین ہے، اسی طرح نفل زکوٰۃ یعنی صدقات کی شرح اور ان کے مصارف کا کوئی تعین شارع علیہ السّلام نے نہیں فرمایا۔ لیکن یہ صدقات چونکہ نفلی ہیں، فرض نہیں، اس لئے ان کی ادائیگی پر اسلامی مملکت کی طرف سے قطعاً جبر نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ ٹیکس کی شکل نہیں اختیار کر سکتے۔

مندرجہ بالا دلائل دو تنقیحات پر مبنی ہیں:-

اوّلاً، زکوٰۃ اور صدقات کی تفریق۔

ثانیاً، فرض زکوٰۃ کی مروّجہ شرح اور مصارف کی موجودہ تعبیر کا از روئے شریعت تعیّن۔

ہم ان دونوں تنقیحات کا قرآنِ حکیم، احادیثِ نبوی، آثارِ صحابہ، اقوالِ ائمہ متقدّمین اور تاریخِ اسلام کے حقائق کی روشنی میں سیر حاصل تجزیہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ واللہ المستعان

(۲)

زکوٰۃ اور صدقہ کی مروّجہ تفریق

(الف) قرآنِ حکیم کی روشنی میں | نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کو قرآن نے کہیں محض اِنْفَاق (خرچ کرنا) یا اِنْفَاق فِي سَبِيْلِ اللّٰہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)، کہیں زکوٰۃ، کہیں صدقہ اور کہیں حق کہا ہے۔ [۲]

---

[۲] محدّثِ زرقانیؒ شارحِ مؤطّا امام مالک فرماتے ہیں:- ولھا اسماء الزکاۃ من قولہ تعالٰی وآتوا الزّکاۃ والصدقۃ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً والحق وآتوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ والنفقۃ قال ابن نافع عن مالک من قولہ تعالٰی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذهب والفضۃ ولا ينفقونها في سبيل اللہ والعفو خذ العفو وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ۔

(شرح الزرقانی علی موطّأ مالک، مطبوعہ مطبعۃ الکستلیہ، مصر ۱۲۸۰ھ، ج ۲ ص

ہم نے مندرجہ بالا مترادفات میں سے مؤخر الذکر یعنی العُرف کو قصداً ترک کر دیا ہے، کیونکہ اس آیت کی تفسیر اور یہاں العفو اور العُرف کے معنی متعین کرنے میں مفسرین کے آپس میں شدید اختلافات ہیں۔

اس معاشرتی فریضہ کی بجاآوری کے لئے قرآن نے بار بار تاکید کی ہے۔ اس کے لئے طرح طرح سے ترغیب دی ہے۔ اور اس میں کوتاہی برتنے والوں کو شدید ترین وعیدوں سے ڈرایا ہے۔ قرآن نے اس سلسلے میں فرض اور نفل کی کوئی تفریق نہیں کی۔ وہ ان اصطلاحات سے قطعاً مبرّا ہے۔ فرض، نفل، واجب، سنّتِ موکدہ، سنّت وغیرہ اصطلاحات اور ان کی پیدا کردہ تفریق تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد کے فقہاء کا اجتہاد ہے۔ قرآن تو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہدایات اور احکام کی روح کو دلوں تک پہنچانے کے لئے سادہ الفاظ اور موقع کے مناسب اندازِ بیان اختیار کرتا ہے اور بس۔

قرآن حکیم نے وَاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ کے ساتھ ہی ساتھ بارہا وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم دیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں وہ اس الزکوٰۃ کی تشریح و تفصیل بیان کرنی چاہتا ہے، وہ اس کے لئے کوئی اور مترادف لفظ استعمال کرتا ہے، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :۔

اِنْفَاق : وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲ : ۲۱۹)

(اور یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے بچ رہے)

یا ایھا الذین آمنو انفقوا من طیّبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمّموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باٰخذیہ الّا ان تغمضوا فیہ (۲ : ۲۶۷)

(اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں، خرچ کرو۔ اور تم ان میں سے وہ بری چیزیں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جنہیں تم خود آنکھیں موندے بغیر لینا پسند نہ کرو۔)

لن تنالوا البرّ حتّیٰ تنفقوا ممّا تحبّون وما تنفقوا من شیئٍ فان اللہ بہ علیم۔ (۳ : ۹۲)

(تم نیکی نہیں پاؤ گے، جب تک کہ تم اپنی اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کرو، جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو، اللہ اس سے بخوبی واقف ہے)

انفاق فی سبیل اللہ : وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ

تَكْنِزُوْنَ (۹: ۳۴-۳۵)

(اور جو لوگ سونا اور چاندی سینت سینت کر رکھتے ہیں، اور اسے اللہ کے راستہ میں نہیں خرچ کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے، اس دن کی جبکہ یہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اور اس سے ان کی پیشانیاں، اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لئے سینت سینت کر رکھا تھا تو تم اب اپنے ان خزانوں کا مزا چکھو)

صدقہ : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۹: ۶۰)

(بے شک صدقات فقراء کے لئے ہیں اور مساکین کے لئے اور ان کی تحصیل وصول کرنے والے کارندوں کے لئے، اور ان کے لئے جن کی دل جوئی مقصود ہے، اور غلاموں کے لئے، اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کے راستے میں، اور مسافروں کے لئے۔ یہ اللہ کا فریضہ ہے۔ اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والا، حکمت والا ہے)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہی وہ آیت ہے جس پر فرض زکوٰۃ کے مصارف کی فقہی تفصیلات کی ساری عمارت قائم ہے لیکن قرآنِ حکیم نے واضح طور پر یہاں الصَّدَقٰت کا لفظ استعمال کیا ہے نہ کہ الزَّکٰوۃ

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (۹: ۱۰۳)

(ان کے مال میں سے صدقہ لیکر ان کی طہارت اور پاکیزگی بخشئے۔)

مفسّرین عموماً اس آیت کے نزول سے زکوٰۃ کی فرضیت کی ابتدا کا سراغ لگاتے ہیں لیکن قرآن نے یہاں بھی لفظ صَدَقَہ استعمال کیا ہے۔

حق : وَآتُوْا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (۶: ۱۴۱)

(اور کھیتی کاٹنے کے دن ان کھیتیوں کا حق ادا کر دو۔)

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۵۱: ۱۹)

(اور ان کے مال میں حق ہے حاجت مند اور محروم کا)

وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۷۰: ۲۴-۲۵)

(اور وہ جن کے مال میں حاجت مند اور محروم کا "حقِ معلوم" ہے۔)

(ب) احادیثِ نبوی کی روشنی میں | آنحضرت صلعم سے زکوٰۃ کے بارے میں جو حدیثیں مروی ہیں، ان میں عموماً لفظ صَدَقَہ مستعمل ہے۔ مثال کے طور پر امام بخاریؒ اپنی صحیح کی کتاب الزکوٰۃ میں ایک باب کا عنوان قائم کرتے ہیں:- باب وجوب الزکوٰۃ اور اس کے ذیل میں حد تواتر تک پہنچی ہوئی وہ مشہور حدیث نقل کرتے ہیں، جس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت مختلف ہدایات دیتے ہوئے رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں:-

انّ اللّٰہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم تؤخذ من اغنیائھم وتردّ علی فقرائھم۔ ۳؎

(اللہ تعالیٰ نے اُن پر ان کے مال میں سے صدقہ مقرّر کیا ہے کہ وہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے ناداروں پر خرچ کیا جائے)

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی حدیث امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ایک اور باب میں درج کرتے ہیں جس کا عنوان ہے: لاتؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ لیکن یہاں متن حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

..... انّ اللّٰہ فرض علیھم زکاۃً من اموالھم .... ۴؎

اس سے ظاہر ہے کہ نہ صرف احادیثِ نبوی میں صَدَقَہ اور زکوٰۃ کے الفاظ بطور مترادف استعمال ہوئے ہیں، بلکہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ امام بخاریؒ ایک اور عنوان قائم کرتے ہیں: باب زکوٰۃ الورق اور اس کے ذیل میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس پر زکواۃ کے نصاب کے فقہی مسائل کی بنیاد ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

لیس فی مادون خمس ذودٍ صَدَقَۃ من الابل ولیس فی مادون خمس اواقٍ صَدَقَۃٌ، ولیس فی مادون خمسۃ اوسقٍ صدقۃ۔ ۵؎

۳؎ صحیح البخاری (مطبعۃ مصطفی البابی، مصر، ۱۳۷۷ھ)، ج ۲، ص ۱۳۰ (کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکاۃ)

۴؎ ایضاً۔ ج ۲، ص ۱۴۷۔ ۵؎ ایضاً۔ ج ۲، ص ۱۴۳۔ ۱۴۴

(پانچ سے کم اونٹوں پر کوئی صدقہ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر کوئی صدقہ نہیں ہے اور پانچ وسق سے کم اناج پر کوئی صدقہ نہیں ہے۔)

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں یہی حدیث لفظ زکوٰۃ کے ساتھ مروی ہے۔[۶]

تاریخ و سیرت کی مستند کتابوں میں زکوٰۃ کی تحصیل کے سلسلہ میں آنحضرت صلعم کے وہ خطوط درج ہیں جو آپ نے مدینہ سے باہر کے نومسلم عرب قبائل کو لکھے تھے۔ ان میں بھی زکوٰۃ کے مفہوم میں ہر بار لفظ صَدَقَۃ استعمال کیا گیا ہے[۷] اور بعض دستاویزوں میں زکوٰۃ کی تحصیل کے کارندوں کے لئے اسی صَدَقَۃ سے مشتق لفظ مُصَدِّق مستعمل ہے۔[۸]

اس کے برخلاف جسے اب صدقۃ الفطر کہتے ہیں، اس کے لئے احادیث میں بیشتر زکوٰۃ الفطر کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔[۹] لیکن معدودے چند حدیثیں ایسی بھی ہیں، جن میں اسے صدقۃ الفطر کہا گیا ہے۔[۱۰] زکوٰۃ کی تنظیم میں معاشرتی بہبود کی روح کارفرما ہے۔ اس امر کی تاکید کے لئے رسول اللہ صلعم نے معاشرتی فلاح کے مختلف کاموں کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ صدقہ ہے۔ کتب احادیث میں اس مضمون کی

---

[۶] مسند احمد بن حنبل (المطبعۃ المیمنیۃ، مصر، ۱۳۱۳ھ) ج ۳، ص ۵۹

[۷] تاریخ الطبری (مطبوعہ لیڈن، ۱۹۰۱ء) بروایت ابن اسحٰق۔ ج ۱، ص ۱۷۱۸، ص ۱۷۲۴، ص ۱۷۳۶، و ص ۱۷۵۰۔ طبقات ابن سعد (مطبوعہ لیڈن، ۱۹۱۷ء) ج ۱، ق ۲، ص ۱۸، ص ۱۹، ص ۲۰، ص ۲۳-۲۴، ص ۳۳، و ص ۴۹ و سیرۃ ابن ہشام (مطبعہ حجازی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ) ج ۴، ص ۲۵۸-۲۶۰۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، تالیف ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، قاہرہ ۱۹۴۱ء) میں ان فرمانوں کے نمبر حسب ذیل ہیں:- ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۵۲، ۱۶۸ قبیلہ ہمدان کے ایک سردار عمیر نامی کے نام فرمان کی مندرجہ ذیل دفعہ میں صدقہ اور زکوٰۃ دونوں کا بطور مترادف استعمال قابل غور ہے:- وانّ الصدقۃ لاتحلّ لمحمّد ولا لاھل بیتہ انّما ھی زکوٰۃ تزکونھا عن اموالکم لفقراء المسلمین (تاریخ الیعقوبی، بیروت ۱۹۶۰ء) ج ۲، ص ۸۱ الوثائق نمبر ۱۱۱)۔ [۸] طبقات ابن سعد۔ ج ۱، ق ۲، ص ۳۳ والوثائق نمبر ۱۸۸۔ احادیث میں اس اصطلاح کا استعمال بکثرت ہے۔ مثلاً صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴ (باب ۳۳ العرض فی الزکاۃ) ص ۱۴۵ (باب ۳۷ من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض الخ) ص ۱۴۷ (باب ۳۹ لا تؤخذ فی الصدقۃ ہرمۃ الخ) ص ۱۶۰ (باب ۶۹ قول اللہ تعالیٰ والعاملین علیہا الخ)۔ [۹] مثلاً صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۶۱-۱۶۲ (ابواب ۷۰، ۷۱، ۷۳، ۷۴، ۷۶)

متعدد حدیثیں مختلف طرقوں سے مروی ہیں، جن میں دو مسلمانوں کے آپس میں انصاف کرا دینے [۱۱] بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانے [۱۲]، راستہ کی رکاوٹوں کو دُور کرتے [۱۳]، آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے درخت لگانے [۱۴]، دوسروں سے خندہ پیشانی سے ملنے [۱۵]، یہاں تک کہ زن و شوہر کے خوشگوار تعلّقات [۱۶] کو بھی صدقہ بتایا گیا ہے۔ اس مضمون کو مزید وسعت دے کر بعض احادیث میں تہلیل و تکبیر کو بھی صدقہ کہا گیا ہے [۱۷] ان ہی احادیث کی بناء پر متاخرین ائمہ فقہ و حدیث نے "نفلی" زکوٰۃ کے لئے صدقہ کی اصطلاح بنالی ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں زکوٰۃ کے مفہوم میں بھی ایسی ہی وسعت دی گئی ہے۔ مثلاً مسند امام احمد بن حنبلؒ کی ایک حدیث ہے :-

صلّوا علیّ فانّها زکوٰۃ لکم [۱۸]۔

(مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ یہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے۔)

(ج) آثارِ صحابہ و اقوالِ سلف کی رَوشنی میں | آنحضرت صلعم کے مذکورہ بالا خطوطِ زکوٰۃ کی شرح کے سلسلہ میں قرآن حکیم کی آیات کے بعد سب سے اہم اور مستند دستاویزیں ہیں۔ ان ہی میں سے بعض خطوط کی نقلیں چند معنی خیز اور اہم اضافوں اور ترمیموں کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں۔ ہم ان اضافوں اور کی اہمیّت پر آگے چل کر بحث کریں گے۔ یہاں قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ ان میں بھی ہر جگہ بجائے زکوٰۃ کے لفظ صدقہ موجود ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف ایسے اقوال بھی منسوب ہیں، جن میں لفظ الزکوٰۃ آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد ہے:

---

[۱۱] ایضاً ج ۴ ص ۶۸ (کتاب الجہاد باب ۱۲۸ من اخذ بالرکاب ونحوہ)، مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۳۱۶ و ص ۳۵۰ صحیح مسلم (تحقیق محمّد فواد عبدالباقی، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، ۱۹۵۵ء) ج ۲، ص ۶۹۹ (کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۵۶)

[۱۲] صحیح البخاری، ج ۴، ص ۴۳ (کتاب الجہاد باب ۷۲ فضل من حمل متاع صاحبہ الخ) مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۵۴

[۱۳] صحیح البخاری، ج ۴، ص ۶۸ (کتاب الجہاد باب ۱۲۸ من اخذ بالرکاب الخ)، مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۱۶، ص ۳۲۹، ص ۳۵۰ و ج ۴ ص ۴۲۳، و ج ۵ ص ۱۶۸ و جامع الترمذی (مع شرح تحفۃ الاحوذی دہلی ۱۳۵۲ھ) ج ۳ ص ۱۳۲ ابواب البرّ والصلۃ، باب ۳۶) سنن ابی داؤد (تہذیب المنذری و ابن قیم، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، قاہرہ، ۱۹۵۰ء) ج ۸، ص ۱۰۱ (کتاب الادب، باب اماطۃ الاذی)

[۱۴] مسند احمد بن حنبل، ج ۶ ص ۳۶۲۔ [۱۵] جامع الترمذی (مع شرحہ)، ج ۳، ص ۱۳۲۔

[۱۶] صحیح مسلم، ج ۲، ص ۶۹۷-۶۹۸ (کتاب الزکاۃ حدیث نمبر ۵۳) [۱۷] ایضا۔ [۱۸] ج ۳، ص ۵۹

فان الزکوٰۃ حق المال [19] (زکوٰۃ مالی حق یعنی ٹیکس ہے)

یا حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ :

اتجروا فی اموال الیتٰمیٰ لا تاکلھا الزکوٰۃ [20]

(یتیموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ وہ سارا زکوٰۃ ہی میں ختم نہ ہو جائے)

بنو امیہّ کے دورِ حکومت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا مختصر عہد (۹۹ھ - ۱۰۱ھ) اپنی دیگر روشن خصوصیات کے علاوہ اس لئے بھی ممتاز ہے کہ ان کے زمانے میں بیت المال کے ذرائع آمدنی اور ان کے مصارف کی اصلاح پر خاص توجہ دی گئی۔ اس سلسلہ میں ان کے بعض احکام حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ ان میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں :-

انما الصدقة فی الحرث والعین والماشیة [21]۔

(صدقہ صرف کھیتی، سونے چاندی اور مویشی پر ہے۔)

(د) بعد کی تبدیلیاں | مندرجہ بالا تصریحات سے یہ ظاہر ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اوائل تک زکوٰۃ اور صدقہ میں کوئی تفریق نہ تھی۔ یہ دونوں الفاظ مترادف تھے اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے نصفِ آخر سے علوم کی تدوین شروع ہوئی [22]۔ یونانی کتابوں کے ترجمے شائع ہونے لگے۔ مسلمانوں میں یورپ کے قدیم (یونانی) فلسفہ کا چرچا پھیلا۔ ایرانی اور ہندی فکر کے

---

[19] دیکھئے ص ۲۷۲ مابعد

[20] موطأ امام مالک (تحقیق محمد فواد عبدالباقی۔ داراحیاء الکتب العربیہ، قاہرہ ۱۹۵۱ء) ج ۱، ص ۲۵۱ (کتاب الزکاۃ،

[21] ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۵ (کتاب الزکاۃ، حدیث ۳)

[22] خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان، جس کی وفات ابن عساکر کی روایت کے مطابق ۹۰ھ میں ہوئی تھی، (تہذیب ج ۵ ص ۱۱۶)، پہلا مسلم شاہزادہ تھا، جسے علومِ یونانی میں خاص شغف تھا۔ اس کے حکم سے یونانی اور قبطی زبانوں سے علمی خزانے عربی زبان میں منتقل ہوئے تھے (فہرست ابن الندیم، ج ۱ ص ۲۴۲) اس لحاظ سے مسلمانوں میں علوم یونانی کی اشاعت کی تاریخ پہلی صدی ہجری کے اواخر ہی سے شروع ہو جاتی ہے، یعنی علومِ حدیث و فقہ کی تدوین سے کافی عرصہ پہلے۔ لیکن علوم یونانی کی اشاعت نے طاقت و تحریک کی شکل ۱۳۲ھ کے بعد ہی اختیار کی۔ جب عباسی سریر آرائے حکومت ہوئے اور عربیّت پر عجمیّت کا غلبہ ہوا۔ مامون کا دورِ حکومت (۱۹۸ھ - ۲۱۸ھ) اس تحریک کا انتہائی نقطۂ عروج تھا۔ اس کے بعد جہاں اس کی ترقی جاری رہی، وہاں اس کے خلاف شدید ردِّ عمل بھی شروع ہو گیا۔

اثرات بھی مترتب ہونے لگے ـــــ قرآن حکیم میں شریعت کے احکام اوّل و آخر محض عمل کے لئے تھے۔ اور سنت تو قرآن پر رسول اللہ صلعم اور ان کے صحابہ کے عمل ہی کا دوسرا نام تھا۔ لیکن اب شریعت کے علوم کا دور دورہ شروع ہوا۔ علوم کے لئے اصطلاحیں ضروری ہیں۔ اس لئے علوم شرعیہ کی اصطلاحیں مدوّن ہونے لگیں جن میں ارتقا کے ناگزیر عمل کے ساتھ ساتھ زیادہ تعیین، وضاحت، ضبط اور قطعیّت آتی چلی گئی اور شریعت کے احکام مختلف انواع و اقسام میں منقسم ہوتے چلے گئے۔

امام مالکؒ (۹۳ھ - ۱۷۹ھ) کی موطّأ علم فقہ و علم حدیث کی پہلی مدوّن کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اور اپنی صحّت اور تفقّہ فی الدّین کے لحاظ سے، بہت سے بالغ نظر ائمہ فقہ و حدیث کے نزدیک صحیح بخاری پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کے عنوانات میں امام مالکؒ نے زکوٰۃ اور صدقہ کی اصطلاحوں میں ایک نمایاں تفریق مدِّ نظر رکھی ہے۔ وہ مویشیوں کی زکوٰۃ کے لئے صدقۃ اور دوسری تمام اصناف کی زکوٰۃ کے لئے زکوٰۃ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔[۲۳]

اسی قسم کی تفریق امام ابو یوسفؒ (۱۱۳ھ - ۱۸۲ھ) برقرار رکھتے ہیں۔ اسلامی مملکت کے محاصل (ٹیکس) پر ان کی کتاب الخراج عدیم المثال ہے۔ ائمہ متقدّمین میں وہ پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے زکوٰۃ اور دوسرے محاصل کے مسائل پر مستقلاً اور خصوصی تحقیق کی ہے اور اس موضوع پر ان کے نتائجِ فکر کی دقّتِ نظر، اصابتِ رائے اور تفقّہ کی نظیر نہ سلف میں ملتی ہے نہ خلف میں۔ زکوٰۃ کے سلسلہ کی اصطلاحات کے بارے میں ان کا اجتہاد یہ ہے کہ الصدقۃ فی الابل والبقر والغنم والخیل[۲۴] (صدقہ اونٹ، گائے، بکری اور گھوڑے پر ہے) مویشیوں کے علاوہ اصناف پر جو زکوٰۃ مسلمانوں سے لی جائے

---

[۲۳] باب صدقۃ الماشیہ، باب ماجاء فی صدقۃ البقر، باب صدقۃ الخلطاء، باب ماجاء فی ما یعتدّ بہ من السخل فی الصدقۃ۔ باب العمل فی صدقۃ عامین اذا اجتمعا کے تحت جو حدیث درج ہے، وہ بھی مویشیوں کی زکوٰۃ سے متعلق ہے، اور یہی حال باب النھی عن التضییق علی الناس فی الصدقۃ اور باب ماجاء فی أخذ الصدقات والتشدید فیھا کا ہے۔ باب أخذ الصدقۃ ومن یجوز لہ أخذھا میں بظاہر مویشیوں کی زکوٰۃ کا ذکر نہیں۔ لیکن اگر اس حدیث اور اس پر امام مالکؒ کے تشریحی انتباہ کو باب العمل فی صدقۃ عامین اذا اجتمعا والی حدیث کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ امام اہل المدینۃ نے یہاں الصدقۃ کی اصطلاح کیوں استعمال کی۔ [۲۴] کتاب الخراج للامام ابی یوسف (المطبعۃ السلفیۃ، قاھرہ ۱۳۸۲ھ)، ص ۲۶

اسے وہ عُشر کہتے ہیں۔ بارانی زمین کی زکوٰۃ تو واضح طور پر عُشر یعنی دسواں حصّہ ہے۔ چاہی زمین پر نصف عُشر (یعنی بیسواں حصّہ) ہے۔ اور سونے، چاندی اور اموالِ تجارت پر رُبع عُشر (یعنی چالیسواں حصّہ) ہے۔ اس اعشاری (DECIMAL) تناسب کے پیشِ نظر مویشیوں کے علاوہ تمام اصناف کی زکوٰۃ کو عُشر کہنا امام ابو یوسفؒ کے ریاضیاتی ذہن (MATHEMATICAL BRAIN) پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن ان دونوں اصطلاحات کی تفریق کے ساتھ ان کا قدرِ مشترک بھی امام ابو یوسفؒ کے ذہن میں ہے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں:۔

فاذا اجتمعت الصدقات من الابل والبقر والغنم جمع الی ذالك ما يؤخذ من المسلمين من العشور عشور الاموال وما يمرّ به على العاشر من متاع وغيره لانّ موضع ذالك كلّه موضع الصدقة۔[25]

(جب اونٹ، گائے اور بکری کے صدقات جمع ہو جائیں تو ان کے ساتھ وہ تمام محاصل اکٹھے کر لئے جائیں جو مسلمانوں سے لئے جاتے ہیں، یعنی (زمینوں کے) عُشر، سونے چاندی کے عُشر (رُبع عشر) اور مالِ تجارت وغیرہ پر ٹیکس لینے والے (عاشر) کی چوکی پر سے گزرتے ہوئے جو (رُبع) عشر (یعنی چُنگی) لی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان سب کا مقام وہی ہے جو صدقہ کا ہے)۔

اسلامی مملکت کے ٹیکسوں کے نظام پر دوسری عظیم کتاب امام ابو عبیدؒ (۱۵۴ھ۔ ۲۲۴ھ) کی کتاب الاموال ہے۔ یہ اپنی ترتیب کی سادگی اور احادیث کے جمع کرنے میں دست رسی کے لحاظ سے کتاب الخراج پر سبقت لے گئی ہے۔ لیکن دقّتِ نظر اور نکتہ سنجی میں اس سے بدرجہا فروتر ہے۔ امام ابو عبیدؒ مویشی کی زکوٰۃ کے لئے صدقۃ اور سونے چاندی اور کھیتی باڑی کی زکوٰۃ کے لئے زکوٰۃ کی اصطلاح لاتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لئے وہ صدقۃ فی التجارات[26] کی اصطلاح وضع کر لیتے ہیں۔

مویشیوں کی زکوٰۃ کے لئے صدقۃ کی اصطلاح کی تخصیص قاضی مرغینانیؒ (۵۳۰ھ۔ ۵۹۳ھ) کی ھدایہ جیسی متاخر کتاب میں بھی باقی رکھی گئی ہے۔[27]

---

[25] ایضاً، صہ ۸۰ [26] کتاب الاموال لابی عبید (تحقیق محمد حامد الفقی، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ) صہ ۴۲۵

[27] الھدایہ (مع الدرایۃ، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۷۵ھ) ج ۱، صہ ۱۶۸ (باب صدقۃ السوائم)

اصطلاحات کی مذکورہ بالا تفریق کی جڑیں زکوٰۃ کی تاریخ میں پیوست ہیں، جیسا کہ ہم آگے چل کر واضح کریں گے۔ آنحضرت صلعم سے صرف مویشیوں اور کھیتی کی مروجّہ شرح والی زکوٰۃ کی تحصیل ثابت ہوتی ہے۔ فقہاء انہیں دوسری اصناف سے ممتاز کرنے کے لئے اموالِ ظاہرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے مویشی کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلعم کے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہی تاریخ اسلام کی سب سے بڑی آزمائش درپیش آئی۔ کیونکہ عرب کے نومسلم بدّو قبائل نے اس زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے صدق و استقلال نے بگڑے ہوئے حالات پر قابو پالیا۔ آپ نے ان بدّو قبائل پر فوج کشی کر کے انہیں مویشیوں کی زکوٰۃ کے ادا کرنے پر مجبور کیا۔ ان تاریخی واقعات اور ان سے ماخوذ سنت کے پیشِ نظر فقہاء کا فتویٰ امام ابوعبیدؒ کے الفاظ میں یہ ہے :-

اما الصدقۃ التی یکرہ الناس علیھا و یجاھدون علی منعھا فصدقۃ الماشیۃ والحرث والنخل[۲۸]

(جس زکوٰۃ پر لوگوں کو مجبور کیا جائے اور جس کے روک لینے پر جہاد کیا جائے، وہ مویشیوں، کھیتی اور درخت کی زکوٰۃ ہے)

اموال ظاہرہ میں سے بھی مویشیوں کی زکوٰۃ ہی الصدقۃ تھی۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے اسی سلسلہ میں جہاد کیا تھا، جیسا کہ تاریخی واقعات اور ان کے اس مشہور قول سے ظاہر ہے :-

لو منعونی عناقاً (یا بعض روایتوں کی رو سے عقالاً) کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا[۲۹]

(جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں بھیڑ کا ایک بچّہ (یا اونٹ باندھنے کی رسی) بھی دیتا تھا اور اس نے مجھے اب نہیں دیا تو میں اس سے جنگ کروں گا)

یہ تو متقدمین کی اصطلاحیں تھیں۔ متاخرین نے اس تاریخی پس منظر کو پس پشت ڈال کر الزکاۃ المفروضہ (فرض زکوٰۃ) اور اس کے مقابلہ میں صدقۃ التطوّع (نفلی صدقہ) کی اصطلاحیں وضع کر لیں۔ جن کا گہرا اثر ہمارے مروجّہ خیالات پر ہے۔ بہ ایں ہمہ پانچویں صدی ہجری تک امام ماوردیؒ

---

۲۸ - کتاب الاموال ص ۵۳۱

۲۹ - صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۳۱ (کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ)

(۳۶۴ھ ۔ ۴۵۰ھ) جیسے نکتہ رس فقیہ کی نظر سے زکوٰۃ اور صدقہ کی تفریق کا بے اصل ہونا پوشید نہ تھا۔ چنانچہ وہ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

الصدقۃ زکوٰۃ والزکوٰۃ صدقۃ یفترق الاسم ویتفق المسمّٰی [۳۰]

(صدقہ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ صدقہ ہے۔ نام متفرق ہیں۔ لیکن ان کے مسمّٰی ایک ہیں۔)

(۷) مالی عبادت اور ٹیکس کی تفریق | قرآن حکیم، سنّتِ رسول اللہ صلعم اور تعاملِ صحابہؓ کی رُو سے مسلمان کی ساری زندگی عبادت ہے۔ دینی امور (عبادات) اور دنیوی امور (معاملات) کی تفریق یہودی فریسیت اور مسیحی رہبانیّت کے پیشِ نظر شائد کچھ اصل رکھتی ہو، لیکن اسلامی تعلیمات اس کی سراسر نفی کرتے ہیں عمل کی دنیا میں اس تفریق کو راہ دینے کی اسلام کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ لیکن علم کی دنیا کی مصلحتیں اور ہیں۔ مسائل فقہیہ کی تدوین کے لئے ان کی تقسیم و ترتیب ضروری تھی! اسلامی مملکت میں زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں سے کوئی اور محصول نہیں لیا جاسکتا، اس لئے کہ وہ شرعاً جور و جبر میں شمار ہوگا چنانچہ زکوٰۃ ہی اسلامی مملکت میں مسلمانوں سے لیا جانے والا واحد ٹیکس (حقّ المال) ہے! اس کے علاوہ مسلمانوں سے کسی قسم کا محصول لینے والے کے لئے احادیث میں جہنّم کی وعید آئی ہے۔ لیکن چونکہ زکوٰۃ ہی پر اسلامی مملکت کے بقا کا انحصار ہے اور صرف اسی کے ذریعہ انسانی اخوّت، معاشی انصاف، ہمدردی اور باہمی امداد کے اسلامی اقدار کی پرورش ہو سکتی ہے، اس لئے یہ نہ صرف عبادت بلکہ نماز جتنی اہمیّت رکھنے والی عبادت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مشہور الفاظ ہیں:۔

واللہ لاقاتلن من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فانّ الزکوٰۃ حقّ المال [۳۱]

(خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس سے جنگ کروں گا۔ کیونکہ زکوٰۃ حق المال ہے)

علم فقہ اور علم حدیث پر کتابیں مدوّن کرنے والوں نے اپنی اپنی صوابدید اور کتاب کی ترتیب کے تقاضوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ کو یا تو عبادات کے زمرے میں شامل کیا ہے یا اسلامی مملکت کے ٹیکسوں میں۔ اور امام مالکؒ جیسے فقیہ نے بیک وقت دونوں ہی حیثیات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ وہ اپنی مؤطّا میں کتاب الزکوٰۃ کو کتاب الصّلوٰۃ اور کتاب الصّیام کے درمیان جگہ دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف

۳۰؎ الاحکام السلطانیہ للماوردی (المطبعۃ المحمودیۃ التجاریّہ، مصر ندارد سنہ) ص ۱۰۸

۳۱؎ ۔ مطابق حاشیہ ۲۹؎

وہ کتاب الزکوٰۃ کے ذیل میں باب جزیۃ اھل الکتاب والمجوس اور باب عشور اھل الذمّۃ جیسے عنوانات بھی قائم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر زکوٰۃ محض عبادت ہے تو اس میں اہل کتاب اور مجوس کے جزیہ اور ذمیّوں کے عُشر کا کیا کام ؟

امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبیدؒ کی کتاب الاموال تو سرتاسر اسلامی مملکت کے محاصل (ٹیکسوں) کے موضوع پر ہیں۔ ان میں سے کتاب الخراج میں زکوٰۃ کی بحث فصل فی الصدقات اور فصل فی العشور کے عنوانات کے تحت کی گئی ہے۔ اور کتاب الاموال میں یہی مسائل کتاب الصدقٰت واحکامھا وسننھا کے ذیل میں آتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے بالغ نظر فقہا امام ماوردیؒ اور امام ابو یعلیٰؒ (۳۸۰ھ - ۴۵۸ھ) نے اپنی اپنی الاحکام السلطانیہ نام کی کتابوں میں طویل ابواب زکوٰۃ کے فقہی مسائل اور احادیث کے لئے وقف کئے ہیں [۳۲]۔ حالانکہ ان کی کتابیں اسلامی مملکت کے سیاسی نظام کے موضوع پر ہیں۔

ہمارے برّصغیر کے آخری علمی دَور کے بعض جیّد فقہاء و محدّثین نے اجتہاد کا قدم یہاں تک بڑھایا ہے کہ انھوں نے غیر اسلامی مملکت کے زمین کے ٹیکس (مالگذاری) کی ادائیگی سے زمین کی زکوٰۃ ادا ہوجانے کا فتویٰ دے دیا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ لکھنوی (۱۲۶۴ھ - ۱۳۰۴ھ) دورِ آخر کے اسلامی ہند میں علماء کے ایک نامور ترین خانوادہ فرنگی محل کے آخری فقیہ تھے۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ

ہر کہ در زمین مملوکہ خود بہ آب باراں کاشت کرد عُشر غلہ برو واجب الاداست، مگر در صورتے کہ خراج زمین مذکورہ بحاکم وقت دادہ شود، درآں وقت عُشر ساقط است [۳۳]۔

مشائخ دیوبند کے دورِ اوّل میں قاری عبدالرحمٰن محدّث پانی پتی اور شیخ محمد محدّث تھانوی ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ یہ دونوں حضرت شاہ محمد اسحاق محدّث دہلویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان دونوں

---

[۳۲] الاحکام السلطانیہ للماوردی۔ الباب الحادی عشر فی ولایۃ الصدقات ص ۱۰۸-۱۲۱۔ الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی (مطبعۃ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۳۸ء) فصل فی ولایۃ الصدقات ص ۹۹-۱۲۰

[۳۳] مجموعۂ فتاوی مولانا محمد عبدالحیؒ فرنگی محلی لکھنوی، ج ۲، ص ۳۱۸ (بحوالہ اسلام کا نظام آراضی، از مولانا مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی ۱۳۸۳ھ، حصہ اوّل ص ۱۸۴)

بزرگوں کی بھی تحقیق یہ تھی کہ عُشری زمین کی سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر یعنی زمین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔[۳۴]

مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ، مولانا عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور مولانا شیخ محمدؒ تھانویؒ کے زمانہ میں سرکاری مالگذاری وصول کرنے والی حکومت انگریزوں کی تھی۔ اسے زمین کا ٹیکس ادا کرنے پر زمین کی زکوٰۃ کا ادا ہو جانا یقیناً محلِ نظر ہے۔ چنانچہ دیوبند کے بعد کے دور کے علماء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ[۳۵] اور مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ[۳۶] نے اپنے اساتذہ کے ان فتوؤں سے اختلاف کیا ہے۔

ہمارے اپنے زمانے میں مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کے جانشین مفتی محمد شفیع صاحب کے سامنے مسئلہ کی بالکل مختلف حیثیت ہے۔ بحمد اللہ انگریزی تسلط سے ہم نجات پا چکے ہیں۔ ہماری اپنی حکومت ہے جسے ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کو زمین (اور علیٰ ہذا القیاس دیگر اصناف) کا ٹیکس ادا کرنے پر ان کی زکوٰۃ (یا عُشر) ادا ہوتی ہے یا نہیں۔ مفتی صاحب ممدوح نے اپنی کتاب "اسلام کا نظامِ آراضی" میں اس مسئلہ پر عالمانہ بحث کی ہے۔ زکوٰۃ کے سلسلہ کی مختلف اصطلاحیں ان کی نظر میں ہیں۔ لیکن ان اصطلاحوں میں متقدمین سے لے کر متاخرین تک آتے ہوئے جو رد و بدل ہوتا رہا ہے، اس کا تاریخی سررشتہ چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ ان اصطلاحات کے الجھاؤ میں آ گئے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۵۷ پر وہ لکھتے ہیں:۔

"عُشر اور خراج شریعتِ اسلام کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عُشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔"

مفتی صاحب کا یہ ارشاد بجا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ انہوں نے صفحہ ۱۵۹ پر لکھا ہے:۔

"عُشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر۔"

ظاہر ہے کہ اسلام غیر مسلموں سے اسلامی عبادت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اب اگر مفتی صاحب مدظلہ کے

---

[۳۴] و [۳۵] امداد الفتاویٰ از مولانا اشرف علی تھانوی (ترتیب مولانا مفتی محمد شفیع، کراچی ۱۳۷۰ھ) ج ۲، ص ۵۳، ۵۴

[۳۶] عزیز الفتاویٰ (فتاوی دارالعلوم دیوبند) ص ۱۸ (بحوالہ اسلام کا نظام آراضی، حصہ اوّل ص ۱۸۴)

قول کے مطابق زکوٰۃ الارض یعنی عُشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس کی ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے۔ تو اسی طرح زکوٰۃ الاموال بھی ٹیکس ہے جس کی ایک حیثیت عبادت کی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر واضح کر آئے ہیں۔ مختلف اصناف کی زکوٰۃ کے لئے مختلف دور میں مختلف اصطلاحیں مستعمل رہی ہیں اور اب موجودہ زمانہ میں زمین کی زکوٰۃ کو عُشر اور اس کے علاوہ بقیہ تمام اصناف کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ کہہ دینے سے ان دونوں میں زکوٰۃ کی حیثیت سے بہ یک وقت ٹیکس اور عبادت دونوں ہوتے ہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ لیکن مفتی صاحب صفحہ ۱۵۸ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"عُشر اگرچہ ایک حیثیت سے زمین کی زکوٰۃ اور عبادت ہے مگر اس میں ایک دوسری حیثیت زمین کے ٹیکس کی بھی ہے۔ اس لئے زکوٰۃِ اموال اور عُشر میں بھی یہ فرق ہو گیا کہ اموالِ تجارت اور سونے چاندی کی زکوٰۃ عبادتِ خالصہ ہے اور عُشر میں عبادت کی حیثیت بھی ہے، ٹیکس کی حیثیت بھی"

لیکن اصطلاحات کے اس الجھاؤ کے باوجود مفتی صاحب بالآخر صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ ہم ان کے ارشادات (صفحہ ۱۸۳) کا طویل اقتباس درج ذیل کرتے ہیں :۔

"اگر حکومت اسلامی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حکومت مسلم لوگوں سے زکوٰۃ کے اصول کے مطابق زکوٰۃ کہہ کر وصول کرے اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا وعدہ کرے، اسی طرح زمینوں کا عشر و خراج اس نام سے اس کے اصولِ شرعیہ کے موافق وصول کرے اور انہیں کے مصارف پر خرچ کرنے کی پابندی کا اعلان کرے۔ تو یہ زکوٰۃ یا عُشر جو حکومتِ مسلمہ کو دیا جائے گا، وہ شرعاً زکوٰۃ اور عُشر ہی میں شمار ہو گا۔ اور لوگ زکوٰۃ اور عشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ پھر اگر یہ حکومت اس کے مصارف پر خرچ کرنے میں کوئی کوتاہی بھی کرے تو اس کی ذمہ داری عمّالِ حکومت پر رہے گی۔ اربابِ اموال زکوٰۃ و عُشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ لیکن حکومتِ پاکستان اس وقت تک مسلمانوں سے جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے، نہ وہ زکوٰۃ کے اصول پر وصول کیا جاتا ہے۔ نہ زکوٰۃ کے نام سے لیا جاتا ہے۔ نہ زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنے کی حکومت پابندی قبول کرتی ہے۔ اسی طرح زمینوں کی جو سرکاری مالگذاری وصول کرتی ہے، حکومت اس کو بھی عُشر اور خراج کے شرعی اصول کے تحت وصول نہیں کرتی۔ نہ عشر و خراج کہہ کر وصول کرتی ہے۔ نہ ان کے مصارف میں صرف کرنے کی پابندی کا کوئی اعلان حکومت کی طرف سے ہے۔ اس لئے حکومتِ مسلمہ کے انکم ٹیکس یا زمین کی سرکاری مالگذاری ادا کر دینے پر بھی زکوٰۃ اور عُشر کے فرائض

سے سبکدوشی نہیں ہوتی۔ وہ بجا لہا۔ بلکہ اربابِ اموال پر لازم ہے کہ اپنی زکوٰۃ اور عُشر نکالیں اور ان کے مصارف پر بطور خود صرف کریں۔"

جناب مفتی صاحب کے مندرجہ بالا ارشادات کا ماحصل یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان کا انکم ٹیکس اور مالگذاری اداکرنے پر تمام اصناف کی زکوٰۃ (یعنی زکوٰۃ اور عُشر) ادا ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ حکومت پاکستان

(۱) انہیں زکوٰۃ اور عشر کے نام سے وصول کرے۔

(۲) انہیں اصولِ شرعیہ کے مطابق وصول کرے۔ اور

(۳) انہیں اِن کے مصارفِ متعیّنہ پر خرچ کرنے کی پابندی کا اعلان کرے۔

آخری شرط کے بارے میں مفتی صاحب یہ رعایت دیتے ہیں کہ " اگر حکومت اس کے مصارف پر خرچ کرنے میں کوئی کوتاہی بھی کرے، تو اس کی ذمہ داری عمّالِ حکومت پر رہے گی۔ اربابِ اموال زکوٰۃ و عُشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔"

الغرض، جناب مفتی صاحب کو تمام اصناف کی زکوٰۃ کے اسلامی مملکت کے سرکاری ٹیکس ہونے سے قطعاً انکار نہیں۔ ہماری طرح وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان اپنے ٹیکس اسلامی نام اور اصول کے مطابق وصول اور صرف کرے لیکن اس کی عملی شکل کیا ہو؟ اس کی مروجّہ شرح اور اس کے مصارف کے بارے میں مروجّہ تعبیرات کی کتاب وسنت کی روشنی میں کیا حیثیت ہے؟ کیا ان مروجّہ نظریات پر نظرِ ثانی کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟ کیا ان پر نظرِ ثانی کئے بغیر زکوٰۃ کا عملی نفاذ ممکن ہے؟ ہم صفحاتِ آئندہ میں ان سوالات کے جوابات تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اگر اس میں ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو امید ہے کہ جناب مفتی صاحب ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

(۳)

زکوٰۃ کی مروجہ شرح اور قرآن حکیم

قرآن حکیم کی رُو سے زکوٰۃ کی شرح شروع ہی سے متعیّن تھی۔ سورہ المعارج مکی" سورتوں میں سے ہے [۳۷]۔ اس کی چوبیسویں اور پچیسویں آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے بارے میں

---

[۳۷] اس سورۃ کی ابتدا سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ سے ہوتی ہے، اس لئے اسے سورۃ سأل یا سورۃ سأل سائل بھی کہتے ہیں۔ تمام سورت کے مکی" ہونے پر صحابی اور تابعی مفسروں کا اتفاق ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، المطبعۃ الموسویۃ، مصر ۱۲۷۸ھ، ص ۱۱-۱۳)

رشاد فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

(اور وہ جن کے مال میں حاجت مندوں اور محروموں کے لئے حقِّ معلوم ہے۔)

اس آیت کا حوالہ دینے کے بعد صاحب سیرۃ النبی علاّمہ سیّد سلیمان نے بجا طور پر لکھا ہے کہ :-

"اس آیت سے صاف و صریح طریقہ سے یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں کی دولت میں غریبوں کا جو حصّہ ہے، وہ متعیّن، مقرّر اور عملاً رائج ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں معلوم اور معلومات کے الفاظ جہاں آئے ہیں، وہاں یہی مقصود ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عرب میں جو قوم کسی نہ کسی طرح زکوٰۃ ادا کرتی تھی، اس کی جو شرح متعیّن اور رواج پذیر تھی، اُس کو اسلام نے کسی قدر اصلاح کے بعد قبول کر لیا تھا"[۳۸]۔

قرآن حکیم نے اسی طرح کے موقع پر اسلام کے پانچویں رُکن حج کے بارے میں کہا ہے :

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (۲: ۱۹۷) فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ (۲۲: ۲۸) ان دونوں مقامات پر مَعْلُوْمَات کے معنی ہیں : مشرک عربوں کے نزدیک "متعیّن"، "مقرّر" اور ان کے یہاں عملاً رائج۔ "اَلْقُرْآن يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" کے مسلّمہ اصول کی رُو سے "حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ" کے معنی بھی یہی ہونے چاہئیں یعنی وہ حقّ جو مشرک عربوں کے نزدیک متعیّن، مقرّر اور عملاً رائج تھا۔ لیکن سیّد صاحبؒ فرماتے ہیں :-

"عرب میں اس قسم کی زکوٰۃ صرف بنی اسرائیل ادا کرتے تھے، جس کا حکم توراۃ میں مذکور ہے۔ اور اس کی شرح بھی اس میں مقرر ہے یعنی پیداوار میں دسواں حصّہ اور نقد میں نصف مثقال۔ آنحضرت صلعم نے اپنی حکمتِ ربّانی سے اجناسِ زکوٰۃ پر مختلف شرحیں مقرّر فرمائیں، جو قیمت کے لحاظ سے اسی "شرحِ معلوم" کے مساوی ہیں اور شرحوں کو فرامین کی صورت میں لکھوا کر اپنے عمّال کے پاس بھجوایا، یہی تحریری فرامین تدوینِ حدیث کے زمانہ تک بعینہٖ محفوظ تھے اور تدوینِ حدیث کے بعد ان کو بعینہٖ کتبِ حدیث میں درج کیا گیا۔ جو آج تک موجود ہیں"[۳۹]۔

سیّد صاحبؒ کی اس تحقیق سے چند در چند اشکال پیدا ہوتے ہیں :-

---

[۳۸] سیرۃ النبی (مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۳۵ء) ج ۵، ص ۱۶۱۔

[۳۹] ایضاً۔ ج ۵، ص ۱۶۱

(۱) چونکہ یہ آیت مکی ہے، اس لئے سیّد صاحبؒ کی تحقیق کو تمامہ مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ کی مروّجہ شرح مکہ ہی میں متعیّن ہو چکی تھی۔ حالانکہ سیّد صاحب خود ہی عبارت مندرجہ بالا میں ان شرحوں کے تعیّن کو ان فرامین سے متعلق بتا رہے ہیں، جو آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کے بعد قبائلِ عرب کو ارسال فرمائے تھے اور عبارت مندرجہ بالا سے قبل وہ خود یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ :-

"مدینہ منوّرہ میں آکر جب مسلمانوں کو کسی قدر اطمینان ہوا اور انھوں نے کچھ اپنا کاروبار شروع کیا تو روزہ کے ساتھ ساتھ ۲ھ میں صدقۃ الفطر واجب ہوا۔ (طبری۔ ج ۱، ص۱۲۸۱) اس کے بعد مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی عام طور سے تاکید کی گئی۔ انھوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! ہم کیا خیرات کریں؟ وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ (بقرہ-۲۷) (وہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خیرات کریں) ارشاد ہوا قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ-۲۷) کہہ دو (اے پیغمبر) کہ تمہاری ضرورت سے جو کچھ بچ رہے (اس کو خیرات کرو) یہ زکوٰۃ کی تعیین کی راہ میں اسلام کا پہلا قدم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار و نصاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ جو کچھ بچے، وہ خدا کی راہ میں خیرات کریں۔ آئندہ کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھیں (صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص۲۱۶)"[۴۰]

(۲) یہودی مکہ میں آباد نہیں تھے! اس لئے زکوٰۃ کی کسی ایسی شرح کو جو صرف بنی اسرائیل میں رائج ہو، مکی آیت میں شرحِ معلوم بتانا قرآنِ حکیم کے طرزِ بیان کے قطعاً خلاف ہے۔

(۳) یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اسلام کا چوتھا رُکن روزہ عربِ جاہلیت میں عموماً رائج نہ تھا لیکن یہودیوں میں یومِ عاشورہ کے روزے کی پابندی تھی اور ان کی دیکھا دیکھی قریشِ مکہ بھی اس دن کا روزہ رکھ لیتے تھے[۴۱]۔ چنانچہ قرآن نے اس موقع پر معلوم کی صفت استعمال نہیں کی بلکہ یہ صراحت فرمادی کہ

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (۲ : ۲۳)

(تمہارے لئے روزہ لکھا گیا، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کے لئے لکھا گیا تھا۔)

اگر زکوٰۃ کی قرآنی شرح یہودی شرح کے مساوی یا اس سے ملتی جلتی ہوتی تو قرآن نے روزے کی فرضیت کے لئے اپنے مخاطبوں کو جس طرح آمادہ کیا تھا، اسی طرح زکوٰۃ کی حکمت بھی بیان فرماتا۔

---

۴۰ - ایضاً، ص۱۵۔

۴۱ - مسند احمد بن حنبل، ج ۶، ص۲۴۴۔

لیکن اگر حج کی طرح زکوٰۃ کی بنیاد بھی اہل مکہ کے عام رواج پر تھی، جیساکہ آیت زیر غور سے ظاہر ہوتا ہے، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ اہلِ مکہ کی اس مروجہ زکوٰۃ کی نوعیّت کیا تھی؟ اس کی شرح معلوم کیا تھی؟

قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ کے لئے یہاں لفظ حق استعمال کیا ہے۔ یہ سامی زبانوں کا قدیم لفظ ہے۔ عبرانی زبان میں اس کے معنی ہیں: "To fix by decree" "To prescribe" یعنی حکماً متعیّن ومقرّر کرنا۔ تجویز کرنا[۴۲]۔ حبشی زبان میں ان معانی کے علاوہ یہ معنی بھی ہیں: حدّ، پیمانہ، قانون[۴۳]۔ عربی زبان میں اس کے وسیع الذیل مختلف ثانوی معانی میں سے جو معنی ان سامی مفاہیم سے قریب ترین ہے وہ ہے حکماً مقرّر کردہ واجبات، یعنی ٹیکس۔ عرب جاہلیت کے شاعر جابر بن حنیّ نے اسے اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

وَیوماً لَدی الحشّار من یلوِ حقّه + یُبَزْبَزْ ویُنزَعْ ثوبُه ویُلَطَّمِ[۴۴]

(وہ دن جبکہ ٹیکس دینے میں ذرا سی دیر کرنے والے کو ٹیکس جمع کرنے والے کے آگے جھنجھوڑ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے کپڑے اتار لئے جاتے ہیں۔ اور اسے تمانچے مارے جاتے ہیں)

اسی معنی میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: فانّ الزکاۃ حقّ المال۔ یہاں اگر لفظ حق کی اضافت المال کی بجائے اللہ یا العباد وغیرہ کی طرف ہوتی، تو ٹیکس سے ہٹ کر عام اخلاقی حق کے معنی لئے جاسکتے تھے۔ اسی معنی میں آنحضرت صلعم سے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے یہ حدیث روایت کی ہے:

لیس فی المال حقّ سوی الزکوٰۃ[۴۵]

(دولت پر زکوٰۃ کے سوا کوئی ٹیکس نہیں)

اسی حدیث کی بنا پر اسلام کے مالیاتی نظام اور سیاست مملکت کے موضوعات پر لکھنے والے

---

[۴۲] Brown - Driver - Briggs: Hebrew Lexicon, pp. 349 ff. بحوالۂ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) مقالہ زیر عنوان HAKK

[۴۳] Dillmann: Lexicon Linguae Aethipicai, Lipsiae, 1865, Vol. 1, P. 131.

[۴۴] - المفضّلیات (آکسفورڈ، ۱۹۲۱ء) ص ۴۲۶ - [۴۵] - سنن ابن ماجہ (مع شرحہ مفتاح الحاجہ، مطبع اصح المطابع، لکھنؤ، سنہ ندارد) ص ۱۲۹ (ابواب الزکاۃ باب ۳ ما ادی زکاتہ فلیس بکنز)

ائمہ متقدمین نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں سے جتنے ٹیکس لئے جا سکتے ہیں، وہ زکوٰۃ میں شامل ہیں۔ امام یوسفؒ کی کتاب الخراج کا اقتباس اوپر درج کیا جا چکا ہے (دیکھئے صفحہ ۲۷۰) امام ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں پر کوئی ٹیکس نہیں :-

ولا یجب علی المسلم فی مالہ حق سواھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی المال حق سوی الزکاۃ [۴۶]

(مسلمان کی دولت پر سوائے زکوٰۃ کے کوئی ٹیکس واجب نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مال پر سوائے زکوٰۃ کے کوئی ٹیکس نہیں ہے)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ قبل اسلام کے اس "مقرر اور متعین اور عملاً رائج" حق یعنی ٹیکس یا زکوٰۃ کی شرح کیا تھی؟ اس کا سراغ ہمیں کسی حد تک حلف الفضول نامی معاہدہ کی دفعات سے ملتا ہے۔

حلف الفضول میں شرکت آنحضرت صلعم کی بعثت سے قبل کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ فجار کی جنگ کے بعد تمام عرب اور بالخصوص قریش مکہ مسلسل خانہ جنگی سے اکتا گئے تھے۔ ان کی تجارت کا نظام درہم برہم ہو چلا تھا۔ معاشرہ میں اخلاقی بحران پیدا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں ایک چھوٹے سے واقعہ نے زبیر بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جدعان کو اصلاح احوال پر آمادہ کیا۔ ان میں سے زبیر بن عبدالمطلب اُس وقت بنو ہاشم کے سردار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی تایا۔ عبداللہ بن جدعان قبیلہ بنو تیم کے سردار تھے۔ اور عربوں میں اپنی سخاوت اور دانائی کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان دونوں سرداروں کی قیادت میں بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تیم نے آپس میں ایک معاہدہ کیا، جس کی دفعات یہ تھیں

ان لا یجدوا بمکۃ مظلوماً من اھلھا وغیرھم ممن دخلھا من سائر الناس الا قاموا معہ وکانوا علی من ظلمہ حتی ترد علیہ مظلمتہ [۴۷]

لنکونن مع المظلوم [المحروم؟] حتی یؤدی الیہ حقہ ما بل بحر صوفۃ و

---

[۴۶] الاحکام السلطانیہ، صفحہ ۱۰۸ - ۱۰۹۔ بعض احادیث میں اس کے بالکل برخلاف مضمون مروی ہے۔ ان بظاہر بالکل متضاد احادیث میں تطبیق کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ احادیث محولہ بالا میں الزکاۃ اپنے اصلی قرآنی مفہوم میں مستعمل ہے اور اس کی مخالف احادیث میں الزکاۃ سے مروجہ شرح والی زکوٰۃ مراد ہے۔ زکوٰۃ کی اصطلاح میں "ارتقا" کا اثر مجموعہ احادیث و آثار پر پڑنا ناگزیر تھا۔ [۴۷] سیرۃ ابن ہشام۔ ج ۱۔ صفحہ ۱۴۵

فی التآسی فی المعاش [48]

ان تردّ الفضول علیٰ اھلھا وا لّا یعزّ ظالمٌ مظلوماً [49]

(اگر معاہدہ کنندگان مکہ کے کسی شہری کو یا دُنیا کے کسی حصّہ سے مکہ آنے والے کسی شخص کو مظلوم پائیں گے تو اس کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور ظالم کے سر پر رہیں گے، تاوقتیکہ وہ زبردستی لی ہوئی چیز مظلوم کو لوٹا نہ دے۔

معاہدہ کنندگان ابدالآباد تک مظلوم کا ساتھ دیں گے تاوقتیکہ اس کے واجبات ادا نہ ہو جائیں، اور معیشت میں باہمی شرکت کے ہمیشہ ہمیش حامی رہیں گے۔ معاہدہ کنندگان اس کا ذمّہ لیتے ہیں کہ ضرورت سے فاضل دولت مستحقین کو لوٹا دی جائے اور یہ کہ کوئی ظالم کسی مظلوم پر زبردستی نہ کرے)

اس معاہدہ کی روح اس جملہ میں ہے: و فی التآسی فی المعاش۔ التآسی یا التاسّی کے معنی اہلِ لغت نے یہ دیئے ہیں: المشارکۃ والمساھمۃ فی الرزق والمعاش [50] (رزق و معیشت میں باہمی اشتراک اور مل کر حصّہ بانٹنا) معاشی زندگی میں باہمی اشتراک کے اس اعلیٰ منصوبہ پر عمل صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب کہ معاشرہ کے دولت مند افراد اپنی ضرورت سے فاضل دولت کو معاشرہ کے نسبتاً محروم و مظلوم افراد کا حق سمجھیں اور معاہدہ کے اپنے الفاظ میں " یہ فاضل دولت اس کے اصلی مستحقوں کو لوٹا دیں۔" (تردّ الفضول علیٰ اھلھا) چونکہ معاہدہ کی عملی دفعات میں سب سے اہم دفعہ یہی تھی۔ اسی لئے امام سہیلیؒ اور امام کلاعیؒ کے قول کے مطابق یہ معاہدہ حلف الفضول یعنی فاضل دولت کا معاہدہ کہلایا [51]۔ بعض روایتوں میں اس معاہدہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں قیاس آرائی کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ شائد اس معاہدہ کے بانی الفضل، فضّال اور الفضیل یا ایک اور روایت کی رُو سے فضیل بن حرث، فضیل بن وداعہ اور مفضّل یا ایک تیسری روایت کی رُو سے الفضل بن فضالۃ، الفضل بن وداعہ اور فضیل بن الحرث یا ایک چوتھی روایت کی رُو سے الفضیل بن شراعۃ، الفضل بن وداعۃ اور الفضل

---

[48] طبقات ابن سعد، ج ۱، ق ۱، صـ ۸۲۔ [49] الروض الانف، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۳۲ھ، ج ۱ صـ ۹۱ بحوالہ مسند حارث بن محمّد بن ابی اسامۃ المتوفی ۲۸۲ھ

[50] تاج العروس و لسان العرب۔ مادہ أسو۔

[51] الروض الانف۔ ج ۱ صـ ۹۱۔ کتاب الاکتفاء کلیۃ الآداب، الجزائر ۱۹۳۱ء صـ ۱۳۶

بن قضاعہ نام کے کوئی تین بزرگوار تھے، جن کے ناموں پر یہ معاہدہ حلف الفضول کہلایا ہے[۵۲]۔ لیکن یہ محض ادبی لطیفہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان ہی روایات کی رُو سے اس معاہدہ کے قائدین زبیر بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن جدعان تھے[۵۳]۔ اور اگر معاہدہ کے بانی فی الواقع یہی تین اصحاب تھے، تو تعجّب کی بات ہے کہ عرب جاہلیت کے اتنے بلند خیال اصحابِ فضیلت کے بارے میں ان روایات نے مشتبہ ناموں کے سوا کوئی یادداشت محفوظ نہیں رکھی۔ علاوہ ازیں یہ امر قطعاً ناقابلِ فہم ہے کہ زبیر بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن جدعان جیسے سرداروں کے رہتے ہوئے، جنہوں نے حربِ فجار میں ان کی قیادت کی تھی[۵۴] بنو ہاشم اور بنو تیم نے کسی اور شخص کی حلف الفضول جیسے اہم معاہدہ میں سرداری کیونکر مان لی۔

عرب قبل اسلام کے اس اہم ترین معاہدہ کے ترتیب دیئے جانے کے وقت آنحضرت صلعم بیس برس کے تھے۔ یعنی مقدّس ترین کاروانِ حیات نبوّت کی منزلِ مقصود کی طرف نصف سفر طے کر چکا تھا۔ آپ اس معاہدہ میں اپنی شرکت پر بہت نازاں و فرحاں تھے۔ عہدِ نبوّت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر کوئی مجھ کو سُرخ رنگ کے اونٹ (جو عرب کی محبوب ترین دولت میں سے ہے) بھی دیتا تو میں اس سے ہرگز منحرف نہ ہوتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے اگر کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں[۵۵] اس معاہدہ کی بدولت بعثت سے قبل کے بیس سال امن و امان کے مل گئے۔ عربوں کی قبائلی خانہ جنگی کے اس طرح موقوف ہو جانے سے اسلام کی اشاعت میں جو مدد ملی وہ ظاہر ہے۔

ضرورت سے فاضل دولت کے ناداروں کا حق ہونے کا اعلیٰ اخلاقی تصوّر عربوں کے اندر اس دور میں پایا جانا جسے دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے، حیرت انگیز ضرور ہے لیکن خلافِ قیاس ہرگز نہیں۔ کیونکہ عرب قبل اسلام کی اخلاقی پستی کے بارے میں خواہ کچھ ہی کہا جائے اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ سخاوت کا جوہر ان میں بدرجہ اتم تھا۔ شریف اور سخی دونوں کے لئے ان کی لغت میں ایک ہی لفظ تھا: کریم۔ اور اسی طرح بخیل اور کمینہ کے لئے ایک لفظ تھا: لئیم۔ ان کی شاعری میں شجاعت کے بعد جس اخلاقی صفت

---

۵۲ - کتاب الاکتفاء ص ۱۳۸، الروض الانف - ج ۱ ص ۹۱ - ۵۳ - ایضاً -

۵۴ - کتاب المحبّر لابن حبیب، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد (دکن)، سنہ ۱۳۶۱ھ ص ۱۶۹-۷۰

۵۵ - طبقات ابن سعد، ج ۱، ق ۱، ص ۸۲

المستدرک للحاکم، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد (دکن)، سنہ ۱۳۴۰ھ، ج ۲، ص ۲۲۰

پر سب سے زیادہ فخر نظر آتا ہے وہ یہی سخاوت ہے۔ بعثت اسلام کے وقت مکّہ کے قریش کے اندر یہ جذبہ کمزور پڑ گیا تھا۔ ہاشم بن عبدالمناف اور ان کے بھائیوں نے بین الاقوامی تجارت کو منظم کر کے اس پر قریش کی اجارہ داری قائم کر دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکّہ کے کچھ خاندانوں میں دولت کی جس قدر زیادتی ہوتی گئی، اسی قدر غنائے قلب کی کمی ہوتی گئی۔ اسی لئے قرآن حکیم کی مکّی آیات میں ان اصحابِ ثروت کے حرص و آز اور بخل و تنگ دلی پر بار بار سخت تہدید ہے۔ قریش کے ان دولت مند تاجروں میں سے جن کے اندر سخاوت کا جذبہ باقی رہ گیا تھا، وہ بھی خلوص کی دولت سے محروم تھے۔ وہ داد و دہش کرتے تھے محض دکھاوے کے لئے (رِئَاءَ النَّاسِ) اور بچارے غریبوں پر اپنا احسان جتانے اور انہیں طعن و تشنیع کی اذیت پہنچانے کے لئے (بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتِ حال کی مکمل اصلاح چاہتے تھے۔ وہ ایسی اُمّت کی تربیت کرنی چاہتے تھے۔ جو اپنا تن، من، دھن سب کچھ نیکی کے راستہ میں لٹا دے اور جس کی شان یہ ہو کہ :-

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۹ : ۱۱۱)

(بے شک اللہ نے ایمان والوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں کہ اِن کے بدلہ میں اُن کے لئے جنّت ہے۔)

جو دوسروں پر احسان کر کے اُن سے شکریہ تک کے طالب نہ ہوں، بلکہ زیردستوں کو روزی بہم پہنچا کر ان سے یہ کہتے ہوں کہ :-

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا (۷۶ : ۹)

(ہم تمہیں محض اللہ کی خوشنودی کے لئے روزی دیتے ہیں، تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکریہ)

رسول اللہ صلعم نے بعثت سے بیس سال قبل جس معاہدہ میں شرکت فرمائی تھی اس کی بنیادی دفعہ یہ تھی کہ ان تردّ الفضول علیٰ اھلھا (فاضل دولت اس کے اصلی مستحقوں کو لوٹا دی جائے گی) اب بعثت کے بعد نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی اس سے کم شرح کا تعین کیوں کر ممکن تھا؟ چنانچہ ایمان والوں کے لئے قرآنِ حکیم نے انفاق کی جو شرح مقرّر فرمائی ہے وہ یہ ہے :-

وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲ : ۲۱۹)

(اور یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں، تو کہہ دیجیے کہ جو ضرورت سے بچ رہے۔)

العفو کے معنی کے بارے میں بعض مفسّروں نے کچھ شبہات پیدا کئے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ
حضرت قتادہؒ، حضرت عطاءؒ، حضرت سدّیؒ، حضرت حسنؒ جیسے سربرآوردہ صحابی اور تابعی مفسّروں
کے نزدیک اس کے معنی ہیں: الفضل، یعنی جو ضرورت سے فاضل ہو[۵۶]۔ اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادرؒ
نے اپنی پرانی اردو میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، تو کہہ جو افزود ہے۔

اپنی ضرورت سے زیادہ مال سینت کر رکھنا اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا مسلمان کی نہیں بلکہ یہودیوں
کی خصلت تھی (جن کی شرح زکوٰۃ کا ذکر سیّد سلیمان ندویؒ نے تفصیل سے کیا ہے[۵۷]) ان کی اس
خصلت پر خدا نے ان الفاظ میں سخت وعید فرمائی تھی :۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الآیۃ

(۹: ۳۴- ۳۵) دیکھئے صـ ۲۶۳

ان ہی آیتوں کی رُو سے صحابہؓ اور تابعین کے اس منتخب گروہ نے، جسے مؤرخین نے اصحابِ زہد
کا نام دیا ہے اور جن کے سرخیل حضرت علیؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ تھے۔ مروّجہ شرحِ زکوٰۃ کو قبول کرنے
سے انکار کر دیا تھا اور ان میں سے مؤخر الذکر تو اس شرح زکوٰۃ کو شرعی شرح سمجھنے والے کو عذابِ آخرت
سے ڈراتے تھے، جس کی تفصیل آگے چل کر پیش کی جائے گی۔

۵۶۔ تفسیر الطبری (بولاق، ۱۳۲۳ھ) ج ۲، صـ ۲۱۳

۵۷۔ سیرۃ النبی۔ ج ۵ صـ ۱۴۹، صـ ۱۶۵، صـ ۱۶۷